قصیدہ در مدح امام انس وجان حضرت علیؑ رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام

عمادالعلماء حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام علامہ سید محمد رضی رضوی سعید نبیرۂ فقیہ اہلبیت عمادالعلماء آیۃ اللہ العظمیٰ میر آغا صاحب طاب ثراہ

بھڑکائے ہیں یہ شعلے کس نے رُخِ تاباں سے — اک آگ سی پھیلی ہے گلشن میں بہاراں سے

عالم میں اجالا ہے کس نور کے طوفاں سے — کونین منور ہیں کس مہر درخشاں سے

بدلیں گے فضائیں ہم سوزِ غم پنہاں سے — محفل کو سجائیں گے زخموں کے چراغاں سے

یہ بزم میں کون آیا پھر شمعِ سحر بن کر — کچھ آئیں بہاریں سب دامانِ گلستاں سے

اس درد کی کیفیّت پوچھے نہ کوئی مجھ سے — یا دیکھ لے دامن کو یا پوچھے گریباں سے

صحرا سے کوئی پوچھے یا خاکِ نشیمن سے — زنجیر کے حلقوں سے، تاریکیٔ زنداں سے

اک ہوک سی اُٹھتی ہے اک درد سا ہوتا ہے — غنچوں کے تبسم سے اس کیفِ بہاراں سے

ترتیب ہوئی جن سے رودادِ محبت کی — ہیں یاد وہ افسانے کچھ خوابِ پریشاں سے

تا عمر نہ بھولیں گے ہم تیری بہاروں کو — لِلّٰہ کوئی کہہ دے جاکر یہ گلستاں سے

اے چارہ گرو اس کا کوئی بھی مداوا ہے! — کیا ہوگا تمھیں حاصل اس کوششِ درماں سے

اک نقش ہے وہ دل پر اک داغ ہے سینے پر — وہ سخت گھڑی جب ہم نکلے تھے گلستاں سے

ہم ڈوبنے والوں کی کشتی تو قریب آئے — اتنا تو ٹھہر جائے کہہ دے کوئی طوفاں سے

قاتل یہ فضائیں سب بدلیں گی زمانے کی — خنجر تو ذرا ملنے دے میری رگِ جاں سے

ساحل سے چلا جائے رُخ پھیر لے موجوں سے — واقف جو نہ ہو کوئی اس لذتِ طوفاں سے

کچھ دیر کو آجانا پھر آکے چلے جانا — ہو جائے گذر جب بھی اس گورِ غریباں سے

امکان کی قیدوں سے آزاد تو ہونے دو — آگے ہے مری منزل اس گردشِ دوراں سے

بکھرا کے ذرا گیسو آئینے کو دیکھو تو — کس درجہ یہ ملتا ہے نقشہ مہِ تاباں سے

اللہ یہ نادانی! یہ جرأتِ رندانہ! — ڈرتا نہیں پروانہ اس شعلۂ عریاں سے

کیوں رونے لگی آخر یہ بزم میں آتے ہی — کیا کہہ گیا دیوانہ اس شمعِ فروزاں سے

محدود تھے وہ جلوے جو طور پہ چمکے تھے — روشن ہے جہاں سارا خورشید خراساں سے

اک تازہ بہار آئی ہے گلشن زہراؑ میں — پیمانے کو چھلکا دے ساقی مۓ عرفاں سے

میلاد رضاؑ کی ہے یہ عید زمانے میں
اک کیف نیا دے دے پھر جنبش مژگاں سے

تزویج کے رشتوں کو قرآں سے کوئی پوچھے!
کیا فخر امامت کو دامادیِ سلطاں سے

یہ وارثِ آدمؑ ہے عیسیٰؑ کی تمنا ہے
افضل ہے سلیماںؑ سے بہتر بن عمراںؑ سے

ہے حُسنِ حَسَنؑ اس میں اور صلح کے جوہر ہیں
ملتا ہے سراپا یہ کچھ شاہؑ شہیداں سے

نقشہ ہے محمدؐ کا تصویر ہے حیدرؑ کی
ملتی ہوئی صورت ہے قرآن کی قرآں سے

یہ آٹھویں منزل ہے اس عہد امامت کی
آغاز ہوا جس کا ''الیوم'' کے پیماں سے

تاریخ کے دھاروں کا رُخ پھیر دیا ہم نے
افسانۂ دل چھیڑا بدلے ہوئے عنواں سے

ہے دل میں سعیدؔ اپنے امید ابھی باقی
شاید کوئی آجائے آواز خراساں سے

فغان دلکش

امتیاز الشعراء مولانا سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی

کون کہتا ہے کہ در مدّعا ملتا نہیں
ڈھونڈھنے والا جو کوئی ہو تو کیا ملتا نہیں

تھا کبھی نا آشنا۔ نا آشنا میں ارتباط
آج یہ ہے آشنا سے آشنا ملتا نہیں

مختلف شمعیں ترقی کی جہاں افروز ہیں
غافلوں کو پھر بھی کوئی راستا ملتا نہیں

پھنس گئی ہے قوم کی کشتی بھنور میں خیر ہو
ڈوبنے ہی پر ہے لیکن ناخدا ملتا نہیں

اے نفاق باہمی، للّٰہ ہم پر رحم کر
جب سے تو آیا، ہمیں اپنا پتا ملتا نہیں

ڈھونڈھتی پھرتی ہیں بیتابانہ نظریں چار سو
بحر عالم میں ہمارا آشنا ملتا نہیں

جو زیادہ تر رگ گردن سے رہتا ہو قریب
وائے غفلت ہم کو اس کا ہی پتا ملتا نہیں

راہ میں مطلوب کی جب تک نہ ہو جائے فنا
ملتجی کو نقد تسلیم ورضا ملتا نہیں

کیا دکھائیں دیکھیے نا عاقبت اندیشیاں
دوستوں کو دوستی میں کچھ مزا ملتا نہیں

کرلیا جس نے زمانے کی روش کو اختیار
دیکھتے ہیں کب تک اس کو مدعا ملتا نہیں

کیا تھے ہم کیا ہو گئے یہ سوچتے رہنا فقط
دل کو اس سے کچھ بھی حسرت کے سوا ملتا نہیں

دولت علم و ہنر، ہاتھوں سے کھو بیٹھے تمام
پھر گلہ یہ ہے کہ دُرّ مدعا ملتا نہیں

جذبۂ صادق نہ ہو جب تک دل پُرشوق میں
تب تک اے قدسیؔ نتیجہ سعی کا ملتا نہیں

رہنما راہیں ترقی کی ہمیں دکھلا گئے
سوچ کر انجام، کچھ پہلے ہی سب سمجھا گئے